بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۲۵/۱، جنوری۔جون ۲۰۱۰ء

اداریہ

قرآن کا تصورِ امانت

ظفر الاسلام اصلاحی

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا (النساء/۵۸)	بے شک اللہ تعالیٰ تم سب کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو ادا کردو۔

یہ سورہ نساء کی بڑی اہم آیت ہے جس میں امانت کو اس کے مستحقین کو ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔ اس آیت کی تشریح کے ضمن میں سب سے اہم قابلِ غور بات یہ ہے کہ امانت سے کیا مراد ہے۔ قرآن کی بعض دیگر آیات میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ مفسرین نے مختلف انداز میں اس لفظ کی ترجمانی و رشریح کی ہے۔ ان تشریحات سے اس لفظ کے جو مختلف معانی سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ کسی کے پاس کوئی مال یا سامان حفاظت کے نقطۂ نظر سے رکھا جائے۔

۲۔ قرض لینے والا جو سامان ضمانت یا رہن کے طور پر قرض دینے والے کے پاس رکھے۔

۳۔ انسان پر کسی کا جو حق عاید ہوتا ہے خواہ اللہ کا حق ہو یا اس کے کسی بندے کا۔

۴۔ کسی کو کوئی منصب یا ذمہ داری سپرد کی جائے۔

۵۔ کسی شخص کو اس کی اہلیت کے مطابق کوئی کام یا منصب تفویض کرنا۔

۶۔ احکام الٰہی کی صورت میں اللہ کی عطا کردہ شریعت یا تکالیف شرعیہ۔

۷۔ حاکم، حکمراں یا کسی دوسری حیثیت میں لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرنا۔
۸۔ کسی شخص کو کوئی راز کی بات بتائی جائے۔
۹۔ کسی کا پیغام کسی تک پہنچانے کی ذمہ داری سپرد ہو۔
۱۰۔ کسی کے مشورہ طلب کرنے پر اپنی سمجھ کے مطابق صحیح مشورہ دینا۔

رہی یہ بات کہ امانت کی مختلف تعبیریں کی جاسکتی ہیں اور اس کے متعدد مفاہیم ہیں اس وجہ سے بھی قوی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن میں یہ لفظ مختلف مقامات پر جمع استعمال ہوا ہے۔ اس کی معنوی تشریحات میں بیشتر کا تعلق اس بات سے ہے کہ کسی کا جو حق عائد ہوتا ہے یا کسی کو جو ذمہ داری سپرد کی جائے اسے دیانت داری سے ادا کیا جائے۔ امانت کے اس اہم و مرکزی مفہوم کا ثبوت اس آیت سے بھی ملتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے بڑی ذمہ داری (خلافت) عطا کرنے کا ذکر کیا ہے اور اس کے لئے امانت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ (الاحزاب/۷۲)

ہم نے آسمانوں و زمین اور پہاڑ پر [اپنی] امانت [خلافت] پیش کی، پس انھوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔

قرآن مجید نے انسان کے لئے جس ذمہ داری کو سب سے بڑی ذمہ داری قرار دیا ہے وہ خلافتِ الٰہی ہے یعنی اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کے منشا کو پورا کرنا، انسانوں کا رشتہ ان کے رب سے جوڑنا اور اس کے مقرر کردہ نظامِ حیات کو جاری وساری کرنا یعنی اس کے احکام کو نافذ کرنا۔ اس ذمہ داری یا امانت کی عظمت و رفعت پر خود یہ بات شاہد ہے کہ اللہ رب العزت نے پہلے اسے آسمان، زمین اور پہاڑ کو سپرد کرنا چاہا لیکن وہ اس کے متحمل نہ ہو سکے۔ دوسرے اس کی قدر و قیمت اس سے مزید واضح ہوتی ہے کہ انسان کو جو کچھ ضروری علم عطا کیا گیا، اس کائنات کے وسائل سے فائدہ اٹھانے کی اسے جو قوت و صلاحیت بخشی گئی وہ نتیجہ ہے اس ذمہ داری کے سپرد کئے جانے کا۔ یعنی مقصود یہ تھا کہ وہ

اسے پورا کرنے کے اہل ہو جائے۔ مزید براں قرآن نے اس اہم ترین ذمہ داری کی تعبیر لفظ ''امانت'' سے کی ہے اس سے خود بخود یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ مال یا سامان کی صورت میں کسی کی امانت رکھنا (جو اس لفظ کا عام مفہوم مراد لیا جاتا ہے)، اسے واپس کرنا یا اس کا حق ادا کرنا ان تمام باتوں میں کسی نہ کسی حیثیت سے ذمہ داری کا عنصر لازمی طور پر پایا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص امانت کے علاوہ دوسری قسم کی امانتوں کی بھی ادائیگی کی بار بار یاد دہانی کرائی ہے۔ ایک وہ امانت ہے جسے اللہ رب العزت نے اپنی بے شمار نعمتوں کی صورت میں انسان کو ودیعت کی ہے تاکہ وہ انہیں اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرے اور اس کا شکر بجالائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اللَّهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَاراً وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ. هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (المومن/۶۴۔۶۵)

اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لئے زمین کو قرار کی جگہ بنائی اور آسمان کو [تمھارے اوپر] ایک عمارت بنایا اور تمھاری صورت بنائی تو بہت اچھی صورت بنائی اور تم کو پاکیزہ چیزیں رزق کے طور پر عطا فرمائیں۔ وہی اللہ ہے تمھارا رب، پس بڑا ہی برکت والا اللہ ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ وہ [ہمیشہ] زندہ رہنے والا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لایق نہیں۔ پس اسی کو پکارو اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ ساری حمد و ستائش اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔

دوسرے وہ امانت جسے مالک الملک نے اپنی شریعت یا مقررہ ضابطہ حیات کے طور پر انسان کو عطا کیا ہے تاکہ وہ اس کی رہنمائی میں اپنے شب و روز بسر کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد آخر میں فرمایا:

وَأَنَّ هَـذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلاَ تَتَّبِعُواْ السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِـهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (الانعام/۱۵۳)

اور یہ میرا مقرر کیا ہوا راستہ ہے، پس اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے دوسرے راستوں پر ڈال دیں۔ یہ سب باتیں تمھارے رب نے تم سب کو وصیت کی ہیں تا کہ تم نافرمانی سے بچنے والے اور پرہیز گاری اختیار کرنے والے بن جاؤ۔

تیسرے وہ امانتیں ہیں جو دوسرے کے حقوق کی صورت میں انسان کو مختلف حیثیتوں میں سپرد ہوئی ہیں۔اہم بات یہ کہ یہ حقوق خود اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ انسان کی کچھ معروف حیثیتیں یہ ہیں: والدین و اولاد، شوہر و بیوی، بھائی و بہن، پڑوسی و رفیق، معلم و متعلم، مالک و مزدور، صاحبِ عہدہ و اہلکار، کارخانہ دار و ملازم، صاحبِ مال و ضرورت مند، حکمراں وعوام۔ سورہ نساء کی جو آیت اوپر نقل کی گئی ہے اس میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کردی جائیں۔ان میں اجمالی طور پر وہ تمام ذمہ داریاں آگئیں جو انسان پر اللہ کے بندہ ہونے کی حیثیت سے اور اپنے جیسے دوسرے انسانوں سے مختلف قسم کے تعلقات و معاملات کی بنیاد پر عائد ہوتی ہیں۔اس اجمال کی تفصیل مختلف سورتوں میں ملتی ہے۔قرآن کریم میں جس واضح انداز میں انسان کو مختلف حیثیت سے خطاب کر کے اس کی ذمہ داری یا اس پر عائد ہونے والے دوسروں کے حقوق یاد دلائے گئے ہیں اس سے یہ حقیقت بخوبی آشکارا ہوتی ہے کہ قرآن کی نگاہ میں یہ بات کس قدر اہمیت رکھتی ہے کہ انسان اپنی ذمہ داریاں محسوس کر کے نہایت دیانت داری سے انہیں پورا کرے۔قرآن میں ایک جگہ امانت کی ادائیگی پر زور دیتے ہوئے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اس باب میں اللہ سے ڈرے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ (البقرہ/۲۸۳)

تو جو امین بنایا گیا ہے اس کو چاہئے کہ اپنی امانت ادا کرے اور چاہئے کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے۔

اس سے مقصود اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ امانت خواہ کسی بھی نوعیت کی ہو اس کی ادائیگی بہر حال ضروری ہے۔ یہ اپنے ساتھ بڑی ذمہ داری ساتھ لاتی ہے جس سے پہلو تہی حکم الٰہی کی صریح خلاف ورزی ہوگی اور یہ آخر کار اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہوگی۔ دوسرے یہ حقیقت بھی گوش گذار کرنی ہے کہ امانت میں خیانت خواہ چھپے طور پر کی جائے یا علانیہ، اللہ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اس لئے اس کے وبال سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

امانت کا لفظ اگر حق کے معنی میں لیا جائے جو ہم پر کسی کا عائد ہوتا ہے تو یہ بات بخوبی معروف ہے کہ سب سے بڑا حق اللہ رب العزت کا حق ہے جو عبودیت یا بندگی بجا لانا ہے۔ یہ حق کسی خاص مدت یا محدود وقت تک نہیں بلکہ تا حیات ادا کرنا ہے، یہ ذمہ داری کوئی وقتی یا عارضی نہیں بلکہ آخری سانس تک برقرار رہنے والی ہے۔ درحقیقت نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج ایک مومن بندہ پر اللہ کے اہم ترین حقوق میں سے ہے جن کی ادائیگی کی تاکید قرآن کریم میں مختلف پیرایہ میں ملتی ہے۔ لیکن اس باب میں سورہ حجر کی ایک آیت بڑی اہمیت و معنویت رکھتی ہے جس میں تا حیات بندگی بجالانے کی ہدایت نہایت جامع انداز میں دی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے:

وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ (الحجر/۹۹)	تم اپنے رب کی بندگی کرتے رہو یہاں تک کہ وہ چیز [موت] آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر انسان کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی بندگی بجا لائے اور پوری زندگی اس فریضہ کی انجام دہی میں سرگرم رہے۔ سچ بات یہ کہ اگر کوئی اس ذمہ داری کے تئیں سنجیدہ و مخلص ہو جائے تو دوسری ذمہ داریوں کی تکمیل اس کے لئے کوئی مسئلہ نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس بنیادی ذمہ داری کی دیانت دارانہ انجام دہی دوسری ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرے گی اور انہیں پورا کرنے کے لئے محرک بنے گی۔ دوسرے اگر انسان اس امانت یا ذمہ داری کی عظمت کا احساس

کرلے جسے اٹھانے یا قبول کرنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے اسے بخشی تو نہ صرف یہ کہ اس عظیم امانت کا حق ادا کرنے کے لئے اپنے آپ کو مستعد رکھے گا بلکہ اس کے جلو میں اور بہت سی جو امانتیں آتی ہیں ان کی ادائیگی کو بھی وہ اپنا فریضہ تصور کرے گا یعنی وہ ان حقوق کو بھی ادا کرے گا جو اس عظیم صلاحیت عطا کرنے والے کے بندوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

اللہ کے بندے ہونے کی حیثیت سے اللہ کی عبادت و بندگی بجالانے کی جو ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے وہ کس طرح لازمی طور پر بندوں کے تئیں ہماری ذمہ داریاں ساتھ لاتی ہے اس کا بخوبی اندازہ ان آیات سے ہوتا ہے جن میں اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کے حکم کے فوراً بعد اپنے بندوں کے حقوق یاد دلائے ہیں خاص طور سے ان بندوں کے جن کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی اور تعاون قریبی تعلق یا احتیاج کی وجہ سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً (النساء/۳۶)

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی بجالانے کے بعد انسان کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے بلکہ اسی میں اس کی سعادت ہے کہ وہ اپنے والدین کے تئیں اچھے برتاؤ اور فرماں برداری کا رویہ اختیار کرے۔ ماں باپ کے بعد اللہ نے جن کے حقوق یاد دلائے ہیں ہے اور ان کی حفاظت کو امانت کے طور پر لازم قرار دیا ہے وہ ہیں اعزہ واقرباء، غرباء اور اہل حاجت۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ (بنی اسرائیل/۲۶)

اور رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی اس کا حق۔

قرآن کا بے لاگ انداز خطاب یا دوٹوک انداز میں یہ حکم نامہ صاف بتارہا ہے کہ اہل قرابت، مساکین اور مسافر (یعنی ضرورت مند) کے حقوق کی حفاظت اس کی نگاہ

میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن کا انداز خطاب بتا رہا ہے کہ اصحاب وسائل یا مالداروں کے مال واسباب میں اہلِ حاجت کا حق مسلّم ہے بلکہ یہ ان کی امانت ہے جو ان کے پاس رکھی ہوئی ہے۔ قرآن ان کی ادائیگی میں ذرا بھی تاخیر گوارا نہیں کرتا اور پیداوار کے حصول یا مال مہیا ہونے پر اس کی فوری ادائیگی کی ہدایت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (الانعام/۱۴۱)	اور کھاؤ ان کی پیداوار جب یہ پھلیں اور اور اس کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو۔

حقہ (اس کا حق) سے مراد اللہ تعالیٰ کا حق لیا جائے یا پھل اور کھیتی کی پیداوار نصیب ہونے کا حق سمجھا جائے، بہرصورت اس آیت سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ پھل یا پیداوار میں غرباء ومساکین کا حق تسلیم کیا جائے اور جن کو یہ نعمت نصیب ہو ان کے ذمہ یہ واجب ہے کہ وہ بلا تاخیر ان کے حق یا ان کی امانت کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔ اس بات کی مزید وضاحت ان آیات سے ملتی ہے جن میں اصحابِ مال کو صاف صاف یہ ذہن نشیں کرایا گیا ہے کہ ان کے مال میں سائل اور محروم بھی اپنا حق رکھتے ہیں۔ یہ آیت اسی حقیقت کی ترجمان ہے:

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذاریات/۱۹)	اور ان کے مالوں میں حق ہے مانگنے والے کا اور محروم کا بھی۔

گویا یہ ان کی امانت ہے جو مال داروں کے یہاں محفوظ ہے۔ جس کی واپسی ان کے ذمہ فرض ہے۔

سماج کے کمزور طبقات میں جن کے حقوق کے تحفظ کی طرف قرآن نے خاص توجہ دلائی ہے ان میں یتامیٰ بھی شامل ہیں۔ ولی وسرپرست کو ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے علاوہ جو ذمہ داری یاد دلائی گئی ہے وہ یہ کہ یتیموں کا جو کچھ بھی مال واسباب ہے اس کی حیثیت امانت کی ہے لہٰذا وہ ان کو حفاظت سے رکھیں، انہی کے مفاد میں ان کے مال کو خرچ کریں اور جب وہ سن شعور کو پہنچ جائیں اور اپنے مال کی دیکھ ریکھ کے اہل ہو

جائیں تو بلالیت ولعل ان کا مال ان کے حوالہ کر دیں۔ اللہ رب العلمین کا فرمان ہے:

وَ آتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ (النساء/۲) — اور یتیموں کا مال انہی کو دو اور ان کے اچھے مال اپنے برے مال سے نہ بدلو۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ یتامیٰ کے سرپرستوں کو ان کے مال کی واپسی میں اس بات کی خاص تلقین کی گئی ہے کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ ان کا اچھا مال اپنے پاس رکھ لو اور اسی مقدار کا اپنا خراب مال ان کے حوالہ کر دو۔ درحقیقت اس ہدایت سے اس امانت کا تقدس اور عیاں ہو جاتا ہے جو ولی یا سرپرست کی تحویل میں کسی یتیم کے مال کی صورت میں دی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی بھی خصوصی ہدایت دی ہے اور ان کی امانت کے سلسلہ میں بھی انتہائی دیانت داری اور ایمان داری سے کام لینے کی تاکید کی ہے۔ اس ضمن میں والدین، شوہر، سرپرست، قریبی اعزہ اور پورے معاشرہ کو الگ الگ خطاب کیا ہے۔ اس نوع کی ہدایات کا سب سے پہلا مخاطب شوہر کو بنایا گیا ہے اور یہ حقیقت ان کے گوش گذار کی گئی ہے کہ عورتوں کی صرف ذمہ داریاں نہیں بلکہ ان کے بھی متعین و معروف حقوق ہیں۔ قرآن کا صاف اعلان ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِى عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ/۲۸۸) — عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔

اسی طرح مردوں کو یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ عورتیں بہر حال حسن سلوک، خوش خلقی، نرم کلامی اور دل جوئی کی مستحق ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء/۱۹) — اور عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کی زندگی گذارو۔

مزید براں انہیں یہ نصیحت بھی کی گئی ہے کہ ان کے ساتھ تعلقات و معاملات میں بڑا تحمل اور صبر و ضبط درکار ہے اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں بڑی احتیاط کی ضرورت

ہے۔ بیویوں کے حقوق میں سب سے پہلا حق جو شوہر کو یاد دلایا گیا ہے وہ اس کا حق مہر ہے جس کی ادائیگی امانت کی حیثیت رکھتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَآتُواْ النِّسَاء صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء/۴)	اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔

مہر کی ادائیگی میں خوش دلی کی قید لگا کر قرآن نے یہ واضح کر دیا کہ مہر بیوی کا حق ثابتہ ہے۔ یہ اس کی قیمتی امانت ہے جو شوہر کے پاس ہے۔ اسی احساس کے ساتھ اسے انتہائی خوش دلی سے ادا کرنا چاہئے۔ یعنی وہ اسے ادا کر کے احسان نہیں کر رہا ہے بلکہ بار امانت سے سبک دوش ہو رہا ہے۔ اس لئے اسے ادا کرتے وقت اسے خوشی محسوس کرنی چاہئے۔ دوسرے شوہر کو یہ توجہ دلانا بھی مقصود ہے کہ مہر بیوی کا حق ہے اس لئے بلا طلب اس کے حوالہ کر دینا چاہئے، اسی میں خیر و برکت ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اس امانت کی ادائیگی قرآن کی نگاہ میں اتنی اہم ہے کہ اسے فرض قرار دیا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً (النساء/۲۴)	پھر جو ازدواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے ان کے مہر بطور فرض ادا کرو۔

اس امانت کی ادائیگی کے سلسلہ میں جو قرآنی ہدایات ہیں ان میں یہ ہدایت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اگر مملوکہ یا کنیز کے ساتھ نکاح کیا جائے تو انہیں بھی معروف طریقہ سے مہر ادا کیا جائے اور ان کے معاملہ میں بھی اس امانت کی ادائیگی کی نسبت سے کوتاہی نہ برتی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء/۲۵)	پس ان مملوکات سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے نکاح کرلو اور معروف طریقہ کے مطابق ان کو مہر ادا کرو)۔

میت کے ترکہ میں عورتوں کا جو حق ہوتا ہے اس کے سلسلہ میں پورے خاندان بلکہ معاشرہ کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن نے یہ اصولی ھدایت جاری کی:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً (النساء/۷)	مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو کچھ ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا اور عورتوں کے لیے بھی حصہ اس میں سے جو کچھ ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا تھوڑا ہو یا زیادہ۔[یہ] مقرر کیا ہوا حصہ [ہے]۔

یہاں اس تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں کہ ماں بیٹی، بہن، بیوی اور دوسری حیثیتوں میں عورتوں کے مقررہ حصے قرآن (بالخصوص سورہ نساء) میں اچھی طرح واضح کر دیے گئے ہیں۔ یہاں محض اس جانب توجہ دلانا مقصود ہے کہ قرآن کی رو سے وارث کی حیثیت سے ترکہ میں عورتوں کا حق بھی امانت ہے اس کی ادائیگی اہل خاندان پر فرض ہے اور اس ادائیگی کو یقینی بنانا پورے معاشرہ کی ذمہ داری ہے۔

آخر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑا حق جو مذکورہ بالا تمام حقوق کی مخلصانہ و دیانت دارانہ ادائیگی کی ضمانت دیتا ہے وہ عدل و انصاف کا حق ہے جس کا پورا کرنا بھی امانت ہے۔ درحقیقت یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جو انسان کی دوسری تمام ذمہ داریوں کی تکمیل یا چھوٹی بڑی تمام امانتوں کی ادائیگی کو یقینی بناتی ہے۔ سچ یہ کہ جو شخص اس ذمہ داری کا احساس کر کے اس کا حق ادا کرنے لگے اور بلا کسی تفریق و امتیاز ہر معاملہ میں اور ہر ایک کے ساتھ اس ذمہ داری کو پورا کرنے والا ہو جائے تو جو امانت بھی اس کے پاس ہوگی اس کی واپسی کو وہ اپنا فریضہ سمجھے گا اور جو ذمہ داری بھی اس کے سپرد کی جائے گی اس کی انجام دہی اس کا مشن بن جائے گا اور جس کا بھی حق اس پر عائد ہوگا اس کا پورا کرنا اس کا معمول ہو جائے گا۔ اس لئے کہ عدل کا تقاضا یہی ہے کہ جس کا جو حق ہے اسے دیا جائے، یہ انصاف کے مطالبات میں سے ہے کہ امانت پوری کی پوری صاحب امانت کو لوٹا دی جائے اور جو ذمہ داری بھی سونپی جائے اسے دیانت داری سے انجام دیا جائے۔ ان تمام باتوں کا ثبوت ان آیات کریمہ سے ملتا ہے جن میں اس بنیادی ذمہ داری کو پورا کرنے یعنی عدل و انصاف برتنے کی خاص تاکید کی گئی

ہے اور معاشرہ کے ہر فرد کو اسے اپنانے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ غور ہے کہ قرآن کریم میں انصاف سے کام لینے کا حکم اسی پیرایہ میں دیا گیا ہے جو امانت کی ادائیگی کے سلسلہ میں اختیار گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ (النحل/۹۰)	اللہ عدل و احسان اور رشتہ داروں کے [حقوق] ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

دوسرے یہ کہ امانت کی ادائیگی کے حکم کے فوراً بعد جو ہدایت دی گئی ہے وہ عدل وانصاف برتنے کی ہے۔ اس سے اس خیال کی مزید تائید ہوتی ہے کہ عدل و انصاف برتنا بھی ایک امانت ہے اور جس کو جب اس کا موقع میسر آئے یا اس کی ذمہ داری سپرد ہو تو بے لاگ اسے پورا کرنا چاہئے۔ تیسرے یہ کہ عام لوگوں کو انصاف برتنے کی ہدایت دینے کے ساتھ اہل اختیار اور اصحابِ معاملہ کو اس کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے:

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء/۵۸)	اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

سچ پوچھئے تو عدل کے باب میں اس قرآنی حکم کے مخاطب نہ صرف اہلِ حکومت اور قاضی یا جج ہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو چھوٹی بڑی کوئی ذمہ داری انجام دیتا ہو یا ایسے کاموں سے وابستہ ہوتا ہے جہاں لوگوں کے معاملات نپٹانے ہوتے ہیں اور ان کے مابین فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ قرآن میں جن اہم معاملات کو انجام دیتے وقت عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کی خاص ہدایت دی گئی ہے وہ ہیں: کسی معاملہ یا مقدمہ میں گواہی دینا، خرید و فروخت کا معاملہ کرنا، لین دین کے وقت دستاویز تیار کرنا، صاحب معاملہ یا قرض لینے والے کی عدمِ صلاحیت / نا اہلی کی صورت میں اس کے ولی یا سرپرست کا دستاویز کے نکات کو املا کرانا اور دو فریقوں میں صلح و مصالحت کرانا۔ ان تمام معاملات میں عدل و انصاف برتنے سے متعلق قرآن نے انسان کی طبعی کمزوریوں یا نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے جو اصولی تعلیم دی ہے وہ بڑی اہمیت کی حامل ہے اور دراصل

اسے انصاف کی روح کہا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ کسی معاملہ میں فریقین کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے یا گواہی دیتے وقت ان میں سے کسی فریق سے رشتہ داری یا قربت کی صورت میں نہ تو اس کی کوئی رعایت کرنی ہے اور نہ کسی سے مخالفت یا دشمنی کو اس کے ساتھ انصاف برتنے میں آڑے آنے دینا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ (الانعام/۱۵۲)

اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو گرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

گرچہ اس آیت میں خاص طور کوئی بات کہتے وقت عدل سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے اس میں وہ تمام معاملات و مقدمات بھی شامل ہیں جو تصفیہ یا فیصلہ کے طالب ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں دوسری اہم آیت ملاحظہ ہو:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (المائدہ/۸)

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر بر انگیختہ نہ کرے تم ان کے ساتھ نا انصافی کرو۔ انصاف کرو یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

اس سے بڑھ کر بے لاگ عدل و انصاف کا اصول اور کیا ہوسکتا ہے۔ حقیقت یہ کہ عدل کا حق پورا کرنے یا اس امانت کا حق ادا کرنے میں انسان عام طور پر دو صورتحال میں زیادہ لغزش کھاتا ہے۔ یا تو اس صورت میں کہ فریقین میں سے اپنا کوئی رشتہ دار یا قریبی ہو۔ نفس بہکاتا ہے کہ اگر اس کے خلاف فیصلہ صادر ہوا (گرچہ یہ عدل کے مطابق ہی کیوں نہ ہو) تو وہ ناراض ہو جائے گا یا اسے نقصان لاحق ہوگا اس لئے کسی نہ کسی طرح فیصلہ اس کے حق میں کر دیا جائے خواہ انصاف کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے اگر فریقین میں سے کوئی دشمن یا مخالف ہے تو نفس ورغلاتا ہے کہ فیصلہ اس کے خلاف ہونا چاہئے گرچہ حق وانصاف اس کے ساتھ ہو۔ اس لئے کہ وہ ہمارا دشمن ہے، اس کا نقصان ہوگا تو نفس کو تسکین ملے گی یا شیطان دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ مخالف کو اگر ہزیمت اٹھانی پڑی تو یہ ہمارے لئے خوشی کی بات ہوگی۔ لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ مذکورہ بالا

آیات میں قرآن کریم نے کتنے اچھے انداز میں ان برے جذبات اور منفی خیالات سے مقابلہ آرائی اور انہیں خاطر میں نہ لانے کی تلقین کی ہے کہ اپنا کوئی قریبی یا رشتہ دار ہو تو عدل کے باب میں نہ تو اس رعایت کرنی ہے اور اگر کسی مخالف یا دشمن کا معاملہ ہے تو اس کی دشمنی ومخالفت کو انصاف کی راہ میں حائل نہیں ہونے دینا ہے۔

اوپر کے مباحث سے یہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ دوسروں کے حقوق پورا کرنے، امانت کو ادا کرنے اور ذمہ داری بجالانے پر قرآن کریم میں کس قدر زور دیا گیا ہے، خاص طور سے معاشرہ کے ان افراد کے سلسلہ میں ان باتوں کی زیادہ تاکید ملتی ہے جنہیں کمزور، لاچار اور بے سہارا سمجھ کر ان کے حقوق کو نظر انداز کردیا جاتا ہے یا ان کے تئیں ذمہ داریوں کا احساس نہیں پیدا ہوتا اور اگر پیدا ہوتا ہے تو نفس کے بہکاوے میں آکر انہیں دبا دیا جاتا ہے۔ یہ عام احساس ہے کہ آج کے دور میں انسانیت کو بہت سے مسائل درپیش ہیں اور خاص طور سے امت مسلمہ تو مسائل کے انبار سے گھری ہوئی ہے۔ ان مسائل کا تجزیہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ ان میں سے بیشتر کا سرا ذمہ داری کے عدمِ احساس اور فرائض سے پہلو تہی سے ملتا ہے۔ واقعہ یہ کہ ہمیں اپنے حقوق تو یاد رہتے ہیں اور انہیں پیش بھی کرتے ہیں لیکن خود ہم پر دوسروں کے کیا حقوق عائد ہوتے ہیں، دوسروں کے تئیں ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں ان کا احساس کم ہی ہوتا ہے اور اگر یہ احساس ابھرتا بھی ہے تو اسے عملی شکل اختیار کرنے میں مدتیں گذر جاتی ہیں۔ اس صورت حال میں قرآن کی وہ آیات انتہائی اہمیت ومعنویت رکھتی ہیں جن میں بار بار ہمیں نہ صرف ان حقوق کی یاد دہانی کرائی گئی ہے جو ہم پر عائد ہوتے ہیں بلکہ انہیں ادا کرنے کی خصوصی ہدایت بھی دی گئی ہے۔ اہم بات یہ کہ اس عمل کو امانت کی ادائیگی سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی دیانت دارانہ انجام دہی کو عدل کہا گیا ہے۔ مزید براں بڑے موثر انداز میں یہ حقیقت گوش گذار کی گئی ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف سے کام لینا سماجی زندگی کی بہتری اور خوش گواری کی ضمانت دیتا ہے، معاشی زندگی کی مشکلات کو دور کرتا ہے اور انتشار واختلاف کو ختم کرکے امن وسکون کے قیام کو یقینی بناتا ہے۔ اللہ کرے ہمیں اس حقیقت کو سمجھنے اور اس کا اثر قبول کرنے کی توفیق نصیب ہو۔ اللہ الموفق و ھو المستعان۔